خصائصِ نبوّت -- مسیحی نقطۂ نظر کا تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر آسیہ شبیر *

Judaism, Christianity and Islam belong to that family of semitic religions which have a number of similarities in beliefs and commandments. The need of the institution of Prophethood is quite conspicuous in all these three religions and the list of prophetic characteristics is almost same.

Christianity has altered the personality of Jesus Christ by denying the prophethood after Jesus. They believed that prophethood is even completed before Jesus Christ. They claimed Jesus to be the real son of God as per Roman concepts and philosophies (which was a metaphor of love and affection in Old Testament and New Testament.) They erected the entire base of Christianity in this altered personality of Jesus instead of the divine message and prophethood which was an amalgam of Jewish thought as well as Greece and Roman concepts.

یہودی، عیسائی اور مسلمان، مذاہب کی اس برادری سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں ''سامی ادیان'' کا نام دیا گیا ہے۔ منہج اور شرائع کے جزوی اختلافات کے باوجود، یہاں بنیادی تصورات اور احکام میں حیرت انگیز مشابہت نظر آتی ہے۔ توحید، رسالت اور آخرت جیسے اساسی عقائد کے ساتھ ساتھ، احکام و معاملات اور اخلاقی ہدایات کے حوالے سے بھی مشترک نکات کی ایک طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے۔ تاہم نبوت و رسالت کے خاص موضوع پر زیرِ نظر مطالعے کی ضرورت دورِ حاضر کے بعض مسائل و معاملات کے پس منظر میں زیادہ آسانی سے سمجھی جاسکتی ہے۔

اولین اور ہمارے آج کے دور کا اہم ترین معاملہ یہ ہے کہ عالمِ عیسائیت کی طرف سے جاری ''عالمی تہذیبی جنگ''(۱) میں مسلمانوں کے دیگر شعائر کے ساتھ ساتھ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور شخصیت کو جس شدید طور پر ہدف بنایا جارہا ہے، اسے دیکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ یہ اس ملت کا طرزِ عمل ہے جو سلسلۂ نبوت پر ایمان کا دعوٰی رکھتی ہے۔ حال یہ ہے کہ پیروانِ مسیح (علیہ السلام) کا یہ انبوہِ کثیر آج بھی عہد نامۂ قدیم کی ان دستاویزات کو سینے سے لگائے اور اپنے نوشتوں کا اولین جزو بنائے ہوئے ہے جو (نہ صرف عہد نامۂ جدید کی ضخامت کا تقریباً چار گنا ہے بلکہ) انبیاءِ کرام علیہم السلام کے تذکروں، ان کی شخصیات کے خصائص اور ان کی دعوت کے بنیادی نکات کے واضح بیانات سے مملو ہے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامیات، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

ثانیاً، جدید مغرب کے اس بلند و بانگ دعوے کے باوجود کہ (مسلمانوں کے جذباتی، گویا غیر عاقلانہ طرزِ عمل کے برعکس) وہاں کی عملی زندگی اور ان کی تہذیب کی تشکیل میں مذہب کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا (۲) اور یہ بھی کہ ان کے ہاں فکری اور عملی، ہر دو اعتبار سے آزادی کا چلن ہے، زمینی حقائق یہ ہیں کہ عیسائی شعائر آج بھی اس ''سیکولر'' دنیا میں غیر معمولی تقدس اور احترام کے مستحق سمجھے جاتے ہیں۔ کلیساؤں کے عہدے داروں کی ہر روز منظرِ عام پر آنے والی اخلاق باختہ کہانیوں اور تھیاکریسی (Theocracy) کے استرداد کی ہمہ وقت لگائی جانے والی رٹ کے باوجود، کلیسائے روم کے ''مقدس پوپ'' جب بھی یورپ کے کسی ملک، یا امریکہ کا دورہ کرتے ہیں تو (اگرچہ وہاں پروٹسٹنٹ فرقے کے لوگوں کی اکثریت ہو، جو پوپ کے مذہبی اختیارات کے شدید ناقد ہیں) عیسائی دنیا اپنی ساری بے عملی، مذہب سے عدمِ دلچسپی اور فرقہ وارانہ اختلافات کے باوجود پاپائے روم کے استقبال کے لیے لاکھوں کی تعداد میں سڑکوں پر نکل آتی ہے۔

تیسری اہم بات یہ بھی ہے کہ آج، دنیا بھر میں ''مکالمہ بین المذاہب'' کی اہمیت پر زور دیا جا رہا ہے، مغرب نے اس لَے کو بلند تر کرنے میں خاصا جاندار کردار ادا کیا ہے۔ جب کہ مذاہب کے قریب لانے کے حوالے سے ہمارے ہاں جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ان میں اہم ترین قرآن مجید کا حوالہ ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا. (۳)

توحید کو کلمۂ سواء قرار دے کر، دلائل کے ردّے چڑھاتے ہم اتنی دور نکل جاتے ہیں کہ ہندوؤں جیسے مشرک لوگ بھی کھینچ تان کر دائرہ ''توحید'' میں داخل کر لیے جاتے ہیں۔ حالانکہ شاہ ولی اللہ کی رائے کے مطابق توحید فی الذات کی قائل تو دنیا کی ہر قوم رہی ہے۔ نہ صرف انسانی گروہ، بلکہ ان کے مطابق حیوانات اور نباتات بھی (۴) توحید کے حوالے سے اصل مسئلہ توحید فی الصفات اور توحید فی العبادۃ کا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی اکثریت اس بات سے بے خبر ہے کہ مسلمانوں اور اہلِ کتاب کے درمیان اصل اور حقیقی وجہِ نزاع ''رسالتِ محمدیؐ'' کا معاملہ ہے۔ (۵) حدیثِ نبویؐ کے مطابق ''و محمّد فرق بین النّاس۔''(۶)

آج بھی اہلِ کتاب کی سوئی اٹک کر یہیں رک جاتی ہے اور مکالمہ یہیں بند ہو جاتا ہے۔ (۷) حالانکہ خود مسیحی اور یہودی خصائصِ نبوت کی میزان پر تولا جائے تو نبوتِ محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام، ان کے مسلّمہ معیاروں پر بھی ''بلند ترین مقام'' کی حامل نظر آتی ہے۔

چنانچہ اس مطالعے کی ضرورت آج پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے کہ عیسائیت کی نصوص اور مسیحی فکر کی تاریخ کے مطالعے سے یہ جاننے کی کوشش کی جائے کہ نبوت و رسالت کے باب میں سیدنا مسیح علیہ السلام کے پیروکار کن لغزشوں اور فکری مغالطوں کا شکار ہوئے کہ نہ صرف نبوت مسیح علیہ السلام کی حیثیت بدل ڈالی بلکہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے مصداق (''وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ''(۸)) نبوت محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم کے انکار اور عناد کا وہ راستہ اختیار کیا جس میں ہر گزرنے والے دن کے ساتھ وہ اسفل ترین سطح پر اترتے چلے جارہے ہیں۔

ادارۂ نبوت اور مسیحی نقطۂ نظر:

اناجیلِ اربعہ کے ایک سرسری مطالعے سے بھی قاری پر واضح ہوجاتا ہے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام خود، اور ان کے متبعین بھی ''نبوّات'' کے قائل تھے۔آپؑ نے نہ صرف سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تصدیق فرمائی، بلکہ شریعتِ موسوی کی مِن وعَن پیروی کا اعلان بھی فرمایا۔ البتہ آپ نے احکامِ شریعت کے تعین کی حکیمانہ وجوہ، اور شرعی قوانین کے اخلاقی پہلوؤں کو خصوصیت سے نمایاں کیا جن سے یہود کی نظر ہٹ گئی تھی اور محض رسوم وظواہر میں اٹک کر رہ گئی تھی۔صرف یہی نہیں، بلکہ آپ نے اپنے بعد کی نبوت کی بشارت دی اور آنے والے نبی کے بلند مقام ومرتبے کی گواہی بھی۔(۹)

نبوت کے مسیحی تصور کے مطالعے کے لئے بائبل کی عیسائی تفاسیر وتشریحات سے رجوع کیا جائے یا دائرہ ہائے معارف کے مقالات پر نظر ڈالی جائے (۱۰)، خصائصِ نبوت کا ایک ہی خاکہ سامنے آتا ہے۔اور وہ سارے کا سارا عہد نامۂ قدیم سے ماٴخوذ ہے۔

خصائصِ انبیاءِ کرام علیہم السلام:

خصائصِ انبیاء کرام کے حوالے سے اولین معاملہ ''عطائے نبوت'' کا ہے۔مسیحی شارحین عہد نامۂ قدیم کے حوالے سے اس بات پر یکسو نظر آتے ہیں کہ نبوت وھبی ہے۔یہ اکتساب نہیں کہ کسی نبی کی ذاتی کاوشوں اور ریاضتوں کا حاصل ہو، نہ انسانوں کی عطا کردہ اور تفویض کردہ ہے اور نہ ہی یہ وراثت ہے کہ باپ سے اولاد کو منتقل ہو۔(۱۱)

انبیاء کرام علیہم السلام کی پیغمبرانہ حیثیت کے تعین کے حوالے سے بھی مسیحی نقطۂ نظر واضح ہے۔یہ ایسے بااختیار معلم ہیں جن کا تکیۂ کلام ہی یہ ہے کہ خدا یوں فرماتا ہے۔(۱۲) "Thus saith the

"Lord" انہیں فرشتوں کے ذریعے بھی اور روحِ خداوندی کے ذریعے بھی براہِ راست علم دیا جاتا ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو اس پہچان میں کبھی بھی مغالطہ نہیں ہوتا کہ ان کا خواب اور مکاشفہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، ان کے اپنے نفس کی کسی داخلی کیفیت کا شاخسانہ نہیں ہے۔ بعض معاملات میں وحیِ الٰہی ان کی موقع پر رہنمائی کرتی ہے اور بعض اوقات انہیں اس کا انتظار بھی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح ان کی بعض ذاتی آراء کی تردید بھی کبھی خدا کی طرف سے ہو جاتی ہے۔ (۱۳)

مسیحی تصورات کے مطابق انبیاءِ کرام علیہم السلام، اللہ تعالیٰ کے کامل مطیع، اللہ سے تعلق اور اپنی شخصی پاکیزہ زندگی کے حوالے سے نمایاں ہوتے تھے۔ عہد نامۂ قدیم انہیں غیب بین "Seer"، ماضی و حال کے واقعات کے عالم اور مستقبل کے احوال کے پیشین گو بھی قرار دیتا ہے۔ (۱۴)

اسی طرح انبیاءِ کرام علیھم السلام کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ وہ انتہائی سادہ زندگی گزارتے تھے۔ ان کے لباس اور رہن سہن میں تکلفات کا شائبہ بھی نہیں ملتا تھا۔ وہ خلوت پسند بھی تھے۔ اسی تخلیے سے ان کی روحانی قوت جلا پاتی تھی اور پیغامِ ربانی کو زیادہ مؤثر طور پر سمجھنے کے قابل ہو جاتی تھی۔

ایک سچے پیغمبر کی پہچان کا معیار بھی مسیحی روایت کے مطابق مقرر ہے۔

۱۔ اس کے پاس معجزات اور نشانیاں ہوں۔

۲۔ اس کی بشارتیں اور پیشین گوئیاں سچ ثابت ہوں۔

۳۔ سچی نبوت کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ وہ احکامِ عشرہ کے خلاف تعلیم نہ دیتا ہو''۔ (۱۵)

ختمِ نبوت:

خصائصِ نبوت کا تذکرہ جہاں بھی ہو، یہودی اور عیسائی مصادر ختمِ نبوت کا تذکرہ ضرور کرتے ہیں۔ یہود کے خیال میں ملاکی نبی پر (۱۶) اور مسیحی نقطۂ نظر کے مطابق یوحنا اصطباغی پر (حضرت یحیٰ علیہ السلام) (۱۷)۔ مسیحی علماء کے نزدیک ختمِ نبوت کی وجہ یہ ہے کہ پہلے پیغاماتِ ربانی ایک خاص مقصد، یعنی آمدِ مسیح علیہ السلام کی بشارت اور پیشین گوئی پر مشتمل تھے۔ حضرت مسیح (علیہ السلام) سے قبل کے سب انبیاءِ کرام یسعیاہ نبی اور حضرت یحیٰ علیہ السلام کے بقول ''خداوند کی راہ تیار کرنے اس کے راستے سیدھے کرنے اور آسمانی بادشاہت کا اعلان کرنے'' آئے تھے۔ (۱۸) جب آمدِ مسیح کی خوش خبری اور پیشین گوئی پوری ہو گئی تو اب نبوتوں کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی۔۔۔ قاموس الکتاب کے مصنف کے بقول:

''عہدِ عتیق کی نبوتوں کا اہم ترین مقصد مسیحؑ کی آمد کی منادی اور پیشین گوئی تھا۔ اسی طرح آنے والے

غضب اور آنے والے فضل (ماننے اور نہ ماننے والوں کے لیے) کی پیش گوئی۔'' (۱۹)

مسیحیوں کے ''عہد نامۂ قدیم و جدید پر ایمان رکھنے'' کے دعویٰ کی وجہ محض یہ ہے کہ ''عہد نامۂ قدیم مسیح کے آنے کی امید کے ذکر'' (۲۰) کی وجہ سے مقبول ٹھہرا ہے۔ ایک وجہ البتہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ مسیح بھی ''پرانا عہد نامہ استعمال کرتے تھے''۔ (۲۱) تاہم یہ بات متفق علیہ ہے کہ اس پرانے عہد نامے نے نئے عہد نامے کی تیاری کا کام دیا اور یہ معلومات آنے والی نسلوں تک منتقل کیں کہ ''اگلے زمانے میں کس طرح خدا نے حصہ بہ حصہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے، اس زمانے کے آخر میں، ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا''۔ (۲۲) یوں نبوتیں جس کے آنے کی خوش خبری کا مقصد لیے ہوئے تھیں، جب وہ خود آ گیا تو اب نبوتوں کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ گئی۔

آمدِ مسیح (علیہ السلام) :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے دور سے عیسائیت ''عہدِ جدید'' کا آغاز کرتی ہے۔ مسیحی مصادر (خاص طور پر اناجیل متوافقہ، یعنی پہلی تین اناجیل) میں خصائصِ نبوت کے درج بالا انتہائی اجمالی جائزے کے حوالے سے بھی دیکھا جائے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور سرگرمیوں کی کوئی اور توجیہ ''حاملِ نبوت'' کے علاوہ کی ہی نہیں جا سکتی۔ ان کی اپنی زندگی میں اولین اصحاب (حواریوں) نے بھی یہی سمجھا تھا۔ (۲۳) اور بعد میں مسلمانوں نے جب نجاشی کے دربار میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام سے متعلق آیات پڑھیں تو نجاشی اور اس کے اصحاب نے تائید کی کہ مسیح اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھے۔ (۲۴)

تصورِ مسیح اور بنی اسرائیل :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رحلت کے بعد یہود سے فلسطین پر قبضے کا وعدہ پورا ہوا تھا۔۔۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں اس سلطنت نے اپنا انتہائی عروج دیکھا۔ تاہم اپنی بداعمالیوں، کفر اور شرک کے سبب (جس کے تذکروں سے آج بھی عہد نامۂ قدیم کے صحائف بھرے پڑے ہیں) بنی اسرائیل نہ صرف سلطنت کھو بیٹھے، بلکہ اپنی قومی زندگی کے مرکز ''ہیکل'' اور ''کتبِ مقدسہ'' سے بھی محروم کر دیے گئے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ **یہودیہ**، جس کا پایۂ تخت سامراہ تھا، ۷۲۲ ق م میں اشوریوں کے قبضے میں چلی گئی۔ (۲۵) **اسرائیل**، جس کا صدر مقام یروشلم کا مقدس شہر تھا، ۵۸۶ ق م میں **بابل** کے بادشاہ، بخت نصر کے ہاتھوں اس طرح برباد ہوئی کہ ہیکل، شہر اور

کتبِ مقدسہ، سبھی کچھ جلا دیا گیا۔ قتلِ عام ہوا اور بچ جانے والی آبادی اسیر بنا کر بابل لے جائی گئی۔(۲۶) اسیری سے واپسی کے بعد، یہودی وقتاً فوقتاً ہیکل کا کچھ حصہ بناتے رہے لیکن ریاست کی عدم موجودگی اور دینی مرکز کے انہدام نے انہیں منتشر کر دیا تھا۔

اپنی بداعمالیوں کے سبب یہ جس عبرت ناک انجام کا شکار ہوئے تھے، ان حالات سے نکلنے کے لئے ان کی امیدوں کا مرکز ''مسیح'' تھا۔(۲۷) مسیح سے مراد خدا کی ''مسح کردہ'' (Anointed) گویا مقرر کردہ شخصیت تھی جو خدا کے لوگوں کو چھڑائے، ان کے مخالفوں کو سزا دے اور دیگر قوموں اور امتوں پر بنی اسرائیل کا اختیار و اقتدار قائم کر دے۔(۲۸) ''خدا کی بادشاہی'' مسیح کو سنبھالنا تھی اور یہود کے نزدیک خدا کی بادشاہی سے مراد ''کل زمین کی سلطنت تھی جس کا اختیار خدا اپنے چنیدہ بندوں کے حوالے کرے گا''۔(۲۹)

عہد نامۂ قدیم کے پس منظر میں "Kingdom of God" کی اصطلاح کے معنی Westminster's Dictionary of the Bible میں یوں بیان کیے گئے ہیں۔

"The sovereign rule of the God over the universe.... is the type of the ideal king or Messiah, who will rule the Kingdom in strict subordination to the will and Law of God.... The book of Daniel gave definite shape and direction to the sovereignty which God will establish on earth, and which, when once set up will remain forever."(۳۰)

ایک نئے سیاسی اور سماجی دور کا آغاز کرنے والے مادی انسان اور حکمران ''مسیح'' کے انتظار کی یہی وہ کیفیت تھی کہ جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نے یہودیہ کے بیابان میں ''آسمان کی بادشاہی نزدیک آجانے'' کی منادی کی تو عام یہودی ان کی طرف لپکے۔ ''اس وقت یروشلم اور سارے یہودیہ اور یردن کے گرد و نواح کے سب لوگ نکل کر اس کے پاس گئے۔'' (۳۱) اور کاہن اور لاوی، ان سے یہ پوچھنے گئے کہ: ''تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا۔ بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو ''وہ نبی'' ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں۔ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟'' (۳۲)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مشن :

یہود کے خیالات، اور ان کی توقعات کے برعکس، حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک دوسرے ہی مشن پر

مامور کیے گئے تھے، یعنی شریعت کے رسوم وظواہر کے ساتھ روحِ شریعت کی پاس داری، محبت، مروّت اور لطف وکرم کے عمیق جذبات سے آشنائی اور خدائے مہربان کا تصور، جو مخلوق سے اپنی اولاد سے بڑھ کر محبت رکھتا ہے۔ اس تصور کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی مقامات پر تمثیلوں میں بیان کیا ہے۔(۳۳) یہ سب کچھ وہ تھا جسے یہودی تقریباً فراموش کر بیٹھے تھے۔

چنانچہ یہ معاملہ یہود بنی اسرائیل کے لیے مایوسی، حیرت اور تعجب کا باعث بنا کہ آنے والا ''مسیح'' ان کی خواہش کے علی الرغم سیاسی نہیں، دینی ایجنڈا لے کر آ گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی اکثریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ڈٹ کر مخالفت شروع کی اور غالباً یہی وہ وقت بھی تھا جب انہوں نے مسیح سے مایوس ہو کر اپنی امیدوں کا مرکز ''وہ نبی'' قرار دے لیا جس کی خوش خبری حضرت موسیٰ علیہ السلام دے گئے تھے۔(۳۴) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود کا خیال تھا کہ یہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوگا، اس لیے وہ مدینے کے لوگوں کو یہی دھمکیاں دیتے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے جس کی آمد پر ہمارا دورِ اقبال شروع ہوگا۔(۳۵)

''آسمان کی بادشاہی'' مسیحی تصور :

انبیاءِ کرام علیھم السلام کی صفات وشخصیات کی پہچان رکھنے والی قومِ بنی اسرائیل میں خوفِ خدا رکھنے والے ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے دعوتِ مسیح علیہ السلام پر لبّیک کہا۔ تاہم رومیوں کی غلامی اور سیاسی ومعاشرتی حالات کی تلخی نے ان کے قلوب واذہان کو ''آسمان کی بادشاہی'' کے تصور سے معمور رکھا۔ اہم تر بات یہ بھی تھی کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس اصطلاح کو بار بار، کثرت کے ساتھ استعمال کر رہے تھے۔ مثلاً یہ کہ ''آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔''(۳۶) اسی طرح ان کی یہ دعا ''اے ہمارے باپ، تو جو آسمان پر ہے، تیرا نام پاک مانا جائے، تیری بادشاہی آئے۔''(۳۷) تاہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صراحت کی تھی کہ اس بادشاہی سے مراد کل زمین پر اللہ کی فرمانبرداری کا نظام قائم کرنا ہے۔ ''تیری مرضی جس طرح آسمان پر پوری ہوتی ہے، زمین پر بھی ہو۔''(۳۸) اور یہ بھی فرمایا کہ ''ہر ایک آسمان کی بادشاہی میں داخل نہ ہوگا، مگر وہی جو میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلتا ہے۔''(۳۹)

سید مودودیؒ کے بقول، اس آسمانی بادشاہت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی مراد یہ تھی کہ ''زمین پر خدا کا قانون اور اس کا حکم شرعی اسی طرح جاری ہو جس طرح کائنات میں اس کا حکم طبعی نافذ ہے۔''(۴۰)

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم شرعی بنی اسرائیل کے پاس تورات کی صورت میں موجود تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کے بارے میں فرمایا تھا کہ ''میں تورات کو منسوخ کرنے نہیں، بلکہ مکمل کرنے کے لیے آیا ہوں۔'' (۴۱) ان معنوں میں حاملینِ تورات ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی مخاطب ہو سکتے تھے اور یہ امر آپؑ کے متعدد اقوال سے ثابت ہے۔ (۴۲) اپنے شاگردوں کو بھی آپ نے یہی نصیحت فرمائی تھی کہ ''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا، بلکہ اسرائیل کی بھٹکی ہوئی بھیڑوں ہی کے پاس جانا۔'' (۴۳)

خدا کی بادشاہی کی یہ منادی خود جناب مسیح علیہ السلام بھی کرتے رہے، اور بارہ حواری بھی اس مشن میں ان کے ساتھ شریک رہے، Moore اور Enc.Britannica کے مقالہ نگار واضح کرتے ہیں کہ اس معنی خیز تعداد میں یہ اشارہ موجود تھا کہ حواری، بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کی اصلاح پر مامور کیے گئے تھے۔

> Whether Jesus intended is Gospel to be addressed to Jews only or if the Gentiles were also to be included. In the Gospels, Gentiles appear as isolated exceptions, and the choice of 12 apostles has an evident symbolic relation to the 12 tribes of Israel. The fact that the extension of Christian preaching to be Gentiles caused intense debate in the 40s of the first century is decisive that Jesus had given no unambiguous directive on the matter.(۴۴)

اسی طرح ابتدائی دور کے عیسائیوں کے بارے میں Enc. Religion کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ صدیوں تک یہ حال تھا کہ وہ اپنے آپ کو یہودیت کا حقیقی نمائندہ کہتے تھے۔

> "Christianity defined itself....in relation to a living Jewish tradition that was encountered in the cities of the Roman Empire, a tradition which claimed to be the authentic inheritor of the Scriptures and the traditional Jewish way of life."(۴۵)

تاہم، حالات کی ستم ظریفی تھی کہ حواریوں کے دور ہی میں یہ پیغام، جو خاص بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے تھا، عام ہو گیا اور اس فیصلے کی مخالفت کرنے والوں کی آواز دبا دی گئی۔ (۴۶)

غیر قوموں (Gentiles) میں دعوت سے پیدا ہونے والے مسائل :

توحید و رسالت کے تصورات، اور ایک مخصوص نظامِ شرعی سے ناآشنا لوگوں کے لیے دعوتِ مسیح کا عام

ہو جانا جن فکری اور عملی مسائل کا سبب بنا، ان کا تصور بھی ابتدائی دور کے مخلص عیسائیوں کو نہیں ہو سکتا تھا۔ ان کی دعوتی سرگرمیوں کی اولین جولان گاہ رومی سلطنت کے علاقے تھے۔ رومی، بت پرست ہونے کے ساتھ ساتھ، یونانی تہذیب کے فکری وارث ہونے پر ہمیشہ نازاں رہے۔ (۴۷) دوسری طرف یونانی جس مذہب کے قائل تھے وہ کسی مذہبی و روحانی شخصیت، کسی مقدس صحیفے، کسی ٹھوس عقیدے یا نظامِ عبادات سے بالکل خالی نظر آتا ہے۔ البتہ تاریخِ ادیان کی ایک معتبر کتاب Historia Religionum کے مصنف کے بقول

Greek religion was rich in myths.(۴۸)

مصنف مزید لکھتا ہے کہ یونانی مفکرین کی آزادروی (یا صاف لفظوں میں فکری انتشار) کا عالم یہ تھا کہ کوئی دو لوگ تو ایک بات پر متفق ہوتے نہیں تھے، ایک شخص کی اپنی تحریروں میں داخلی تضاد کے نمونے عام ملتے تھے۔

"None of the Greek writers of this period was a systematic theologian, any may exhibit contradictory religious statements, not merely in works written at different periods, but in different parts of the same work."(۴۹)

"غیر قوموں کے رسول" (۵۰) سینٹ پال کو جو اولین "امتی" حاصل ہوئے وہ اسی Greko - Roman فکری و عملی نظام کے پروردہ تھے۔ نبوت و رسالت کی دو ہزار سالہ تاریخ (یہودی روایت کے مطابق) اور شرعی رسوم وضوابط (جو محض رسوم ہی نہیں ہوتیں، بلکہ جن کے تعین میں شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے بقول، شریعت کا پورا فلسفیانہ اور حکیمانہ نظام کام کرتا ہے۔) (۵۱) سے ناواقف یہی لوگ تھے، آگے چل کر جن کے ہاتھوں، جدید مسیحیت کا پورا فکری نظام قائم ہوا۔

یہودی اصطلاحات اور رومی فکر :

حضرت عیسیٰ کی مذہبی تعلیمات کی ساری تشریح، یہودی روایت کی حدود میں ہی کی جاتی تھی، اور اولین حواریوں نے بھی اس اہم معاملے میں عہد نامۂ قدیم اور اسرائیلی روایات کو پیشِ نظر رکھا تھا۔ (۵۲) لیکن اب، ایک مغربی محقق کے بقول (Gentile Christianity) کا نیا دور شروع ہو رہا تھا۔ اصطلاحات اپنے سابقہ سیاق سے ہٹ کر نئے معانی کا جامہ پہننے لگیں۔ تاریخِ مسیحی کا ایک محقق لکھتا ہے۔

The preaching to Gentiles was not merely an extension of the missionary field, it was beginning of the Gentile Christianity.

Converts from the heathenism necessarily apprehended the Gospel in a very different way from the Jewish disciples of the Jerusalem. The whole background and settings of the disciple's conception, the life under the law, Jewish Messianic expectations, and Jewish eschatology were lacking...On the other had, they brought their own modes of religious thought, and attached to the words they heard, signification and connotations of their own speech - The greatest difference of all was that the Gospel of the Lord Jesus appeared to them as it could not to Jewish believers, to be a new religion.(۵۳)

آگے چل کر Moore نے اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔ مثلاً ''مسیح'' کی اصطلاح جس کا ترجمہ Christos (anointed) کیا گیا، یونانی زبان میں کسی ایسی شخصیت کا تصور موجود ہی نہیں تھا (جبکہ یہودی تصورِ مسیح کی پوری تاریخ تھی۔) وہاں یہ محض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب قرار پایا Jesus Christ--یا پھر Christ Jesus۔اسی طرح اپنی مادری زبان، آرامی میں، حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہمارے آقا Our Master کہہ کر پکارتے تھے لیکن

In Greek, the article was in most cases, sufficient specification, and men said, "the Lord Jesus," or among themselves simply, "the Lord". This became the characteristic title of Jesus Christ in gentile Christianity".(۵۴)

Enc. Americana کے مقالہ نگار کے مطابق بعد ازاں یہ یونانی اصطلاحات ہی رواج پا گئیں۔

It was inevitable that the Greek speaking Gentile churches should use Greek religious terms and titles, and they chose those which were richest in meaning.(۵۵)

جب روایت چل پڑی تو دین کے سبھی تصورات اس کی زد میں آئے اور ''قلبِ ماھیت'' کا شکار ہوئے۔ مثلاً عہد نامۂ قدیم وجدید میں باپ اور بیٹے کے استعارے کا مفہوم۔عہد نامۂ قدیم میں اس سے

مراد اللہ تعالیٰ کی رحمت وشفقت تھی اور تخلیق و ربوبیت (۵۶)، لیکن یہ مفہوم ان نئے ''امتیوں'' کو معلوم نہیں تھا۔ غیر قوموں کے نئے رسول نے مسیحؑ کو خدا کا حقیقی بیٹا قرار دیا (۵۷) اور باقی دینیات اگلی چار پانچ صدیوں میں پے در پے ہونے والی کونسلوں میں طے پائی۔ (۵۸)

کرسٹالوجی (Christology) ایک نئے دین کی بنیاد :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں یہودی عقائد اور شریعت سے انحراف کا کوئی شائبہ تھا، نہ انہوں نے یہود سے باہر تبلیغ کی تھی۔ آخری وقت، جب گرفتار کر کے انہیں لایا گیا تو انجیل یوحنا کے مطابق ''سردار کاہن'' کے ان کی ''تعلیم کی بابت'' پوچھنے پر انہوں نے جواب دیا کہ ''میں نے دنیا سے علانیہ باتیں کی ہیں۔ میں نے ہمیشہ عبادت خانوں اور ہیکل میں، جہاں یہودی جمع ہوتے ہیں تعلیم دی اور پوشیدہ کچھ نہیں کہا۔ تو مجھ سے کیوں پوچھتا ہے؟ سننے والوں سے پوچھ کہ میں نے ان سے کیا کہا ہے۔'' (۵۹)

اس کے باوجود مسیحی مصادر کو دعویٰ ہے کہ ''مسیحؑ'' کی دعوت کیا تھی اور وہ خود حقیقت میں کیا تھے، یہ بات شاگردوں کو بھی مسیحؑ کی مصلوبیت کے بعد ہی پوری طرح پتہ چل سکی۔ (۶۰) یہی وہ بات ہے، جس کا اصطلاحی نام کرسٹالوجی (Christology) ہے اور یہی وہ معاملہ ہے جہاں نبوات پر سامی ادیان کے مشترکہ مؤقف سے ہٹ کر مسیحیت اپنا تشخص جدا کر لیتی ہے۔ (۶۱)

Enc. Americana میں کرسٹالوجی کی تعریف یوں بیان کی گئی ہے۔

"The Doctrine of the person and work of Christ that is, his nature, both human and divine, his incarnation, his revelation of God, his miracles or "mighty works", his death (which the atonement or redemption of mankind from sin) his resurrection and ascension, his glorification, his heavenly intercession, and finally his coming again in glory to hold the last judgment."(۶۲)

دیکھا جائے تو حضرت مسیحؑ کی بعثت ہو، معجزات ہوں، یا یہودی اور مسیحی روایت کے مطابق انہیں صلیب بھی دی گئی ہو، آخر انبیائے بنی اسرائیل کے احوالِ نبوت سے بڑھ کر اس میں کیا تھا۔؟

Catholic Encyclopedia کا مقالہ نگار اس حوالے سے لکھتا ہے کہ کرسٹالوجی کی بنیاد عہد نامۂ قدیم سے ہی ملتی ہے۔ لیکن اس کے لیے شارح یہودی نہیں، مسیحی ہونا چاہیے۔

Old testament is not considered here from the view point of the

Jewish scribe, but of the Christian theologian.(۶۳)

آگے چل کر مصادر کے ساتھ ساتھ وہ اس عقیدے کی تاریخ کا تذکرہ بھی کرتا ہے۔

These mysteries (i.e. Christology) though foretold in the Old Testament, were fully revealed in the New Testament..... and clearly developed in Christian tradition and theology.(۶۴)

یہ بعد کی ''مسیحی روایت'' اور ''دینیات'' وہ تھی جو غیر قوموں Gentiles کے عقائد، افکار اور رسوم و رواج سے مفاہمت کے نتیجے میں تشکیل پائی۔ وہ سارے تصورات اس ایک شخصیت میں سمو دیے گئے جو ان اقوام کی اساطیر (mythology) کا حصہ تھے۔

رومی اور یونانی افکار کے ساتھ، اس زمانے کی عیسائیت نے رومی سلطنت کے طول و عرض میں پھیلے ''سرّی مذاہب'' سے بھی استفادہ کیا۔

اسی حوالے سے Religions of the World کا مصنف Gerald Berry لکھتا ہے کہ عیسائیت کا ظہور اس دور میں ہوا جب رومی سلطنت میں فکری آزادی کا چلن ہو رہا تھا، جس کا رواج سقراط، افلاطون، ارسطو اور زینو وغیرہ نے ڈالا تھا۔ اسی طرح اس زمانے میں بہت سے ''سرّی مذاہب'' بھی مقبول تھے، جن سے عیسائیت نے خوب خوشہ چینی کی۔

"Christianity had in common with the mystery cults the idea that man could "get right with God." There was a savior God who had become a man to teach mankind a way of life, who had died, who had been resurrected, and through whom those who had faith, would be saved."(۶۵)

''سرّی مذاہب'' سے عیسائیت نے طرزِ تحریر بھی اخذ کیا۔ یہ غیر واضح طرزِ تحریر ہندوؤں کے ہاں بھی رائج تھا، اور بعید از عقل تصورات کے ذو معنی (بلکہ لا یعنی) بیان کے لیے دنیا بھر میں معروف تھا۔ (مثلاً عرب کے کاہن بھی یہی طرزِ کلام استعمال کرتے تھے۔) اس طرزِ تحریر کی مثالیں ایک مصنف نے یوں دی ہیں۔

In mystical literature, self-contradictory phrases as "dazzling obscurity, whispering silence, teeming desert" are continually met with. (They proof that not conceptual speech, but music rather, is the element through which we are best spoken to by mystical

truth.) Many mystical scriptures are indeed little more than musical compositions.(۶۶)

اس طرزِ تحریر کے اختیار کرنے کی سب سے بڑی مثال "تشلیث" ہی کا بیان ہے۔ "توحید فی التثلیث" اور "تثلیث فی التوحید"۔ عقیدے کے اس طور بیان کرنے میں عیسائیت صدیوں تک باہم دست و گریبان رہی اور بالآخر اس کو بھید قرار دے کر مزید بحث کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

Enc. Religion کے مطابق

The prologue of John's Gospel crowned the Christological thought of the first centaury by announcing the incarnation of the divine word become flesh. It also ushered in centuries of wrestling with ways for expressing this union of humanity and divinity in the one person of Jesus Christ.(۶۷)

چنانچہ۔۔۔خصائصِ نبوت میں مسیحیت کا واضح نقطۂ نظر یہ ہے کہ نبوت اپنی پرانی خصوصیات کے ساتھ حضرت یحییٰؑ پر ختم ہو چکی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد سے تاریخ کے نئے دور، اور انسانیت کے ساتھ نئے عہد (New Covenant) کا آغاز ہوتا ہے۔(۶۸) پہلے نجات کا دارومدار شریعت کی پیروی میں تھا لیکن اب نجات، صرف مسیح پر ایمان لانے پر منحصر ہے۔ اس ایمان کا لازمہ تثلیث اور کرسٹالوجی (Chirstology) کا اقرار ہے۔

ان لوازماتِ ایمان کے بارے میں قاموس الکتاب کا مصنف لکھتا ہے۔ "مسیحی، یسوع مسیح کی شخصیت میں حقیقی اور کامل الوہیت اور حقیقی اور کامل انسانیت، دونوں کے ناقابلِ تقسیم اتحاد کا اقرار کرتے ہیں۔ مسیحی بھیدوں میں سے اس سب سے بڑے بھید کے بارے میں اور کوئی تشریح کبھی درست نہیں ہو سکتی۔"(۶۹)

اسی طرح نیقیہ کی کونسل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جس عقیدے کی منظوری دی، اسے نیقیاوی عقیدہ Nicen Creed کہا جاتا ہے۔ عیسائیت کا خلاصہ یہی عقیدہ ہے۔

"ہم ایک خدا میں یقین رکھتے ہیں جو مقتدر باپ اور غیر مرئی اشیاء کا خالق ہے۔ ہم خداوند یسوع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جو خدا کا بیٹا تھا۔ صرف وہی تھا جو باپ سے پیدا ہوا۔ باپ ہی کے جوہر سے بنا، خدا میں کا خدا، نور میں کا نور، اصل خدا ہی میں سے اصل خدا، خدا نے بنایا نہیں بلکہ خدا سے پیدا ہوا، اور اسی جوہر سے جو

خدا کا ہے۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے، اسی کے ذریعے بنا۔ ہم بنی آدم کی خاطر اور ہماری نجات کے لیے زمین پر آیا۔ گوشت پوست کا انسان بنا۔ تکلیف اٹھائی۔ تیسرے دن جی اٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ وہ زندوں اور مردوں میں عدالت قائم کرنے آئے گا۔ اور ہم روح القدس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو خداوند ہے اور زندگی بخشنے والا ہے۔ اس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ پرستش و تعظیم ہوتی ہے۔'' (۷۰)

نبوتِ جاریہ کا تصور :

عیسائی عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اب نبوت ایک اور صورت میں جاری ہے۔ قاموس الکتاب کا مصنف لکھتا ہے۔

''ہر ایک مسیحی کے نبی ہونے کا امکان ہے۔ آدمیوں پر پاک روح کا نزول اس نتیجے کا حامل ہوتا ہے کہ ''وہ نبوت کریں گے۔'' (اعمال ۲:۱۸) پولس رسول ''کرنتھی مسیحیوں'' کو تلقین کرتا ہے کہ ''روحانی نعمتوں کی بھی آرزو رکھو۔ خصوصاً اس کی کہ نبوت کرو'' (۷۱)

اس جاری نبوت کے بارے میں مسیحی تصورات کا تفصیل سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی دعوت کو دوسروں تک پہنچانے، خوشخبری دینے اور ڈرانے والے، گویا کہ مبلغین ''نبی'' ہیں۔

تاہم قاموس الکتاب کے مصنف نے پولس کے حوالے سے ایک عجیب اور حیرت انگیز روایت کی ہے۔

''انبیاء (مبلغین) کے کلام کو پرکھنے کے دو طریقے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہاں موجود دوسرے نبی اپنے تجربے کی روشنی میں اسے جانچیں ـــ اور دوسرا، ان کا کلام رسولوں کی کسوٹی پر پرکھا جاتا تھا۔ پولس رسول لکھتا ہے۔ ''اگر کوئی اپنے آپ کو نبی یا روحانی سمجھتا ہے تو جان لے کہ جو باتیں میں تمہیں لکھتا ہوں وہ خداوند کے حکم ہیں۔ اگر کوئی نہ جانے تو نہ جانے۔'' (۷۲)

گویا یہ ''نبی'' محض مبلغ سے آگے کا رتبہ بھی پا سکتے ہیں۔ پاک روح کے واسطے سے یہ کلام الٰہی بھی پا سکتے ہیں، البتہ اس کلام کی جانچ ضروری ہے اور معیار ہے ''پولس رسول کی باتیں۔'' مسیحی مصادر بلا تکلف یہ اعتراف کرتے ہیں کہ **تثلیث، کفّارے** اور **مصلوبیتِ مسیح** کے سارے تصورات سینٹ پال ہی کے گھڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر اسرائیلی انبیاء کرام کی تعلیمات سے ہٹ کر تشکیل پانے والی مسیحیت نے سینٹ پال کی شخصیت اور تعلیم کو بجا طور پر ''معیار'' تسلیم کیا ہے۔ اس کا واحد مصدرِ علم، مکاشفہ تھا جس کی بنا پر اس نے اپنے آپ کو رسول قرار دیا۔ (۷۳) (حالانکہ مکاشفہ وارداتِ قلبی ہونے کے ناتے عام لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتا اور کسی بھی شریعت میں اسے قابل اعتبار ذریعہ علم نہیں ٹھہرایا گیا، سوائے

اس کے، کہ نبی کی تعلیم کے منافی نہ ہو۔)وہ بارہ حواریوں میں زبردستی شامل ہوا۔صحبتِ مسیح ؑ سے فیض پانے والے اصحاب کی اکثریت کی رائے کے علی الرغم ،کلیسا پر اپنے خیالات زبردستی ٹھونسے اور دینِ مسیح کا حلیہ بدل دیا۔

Enc. Britannica کے مطابق

"Paul: the founder of the ecclesiastical Christianity as distinct from the christianity of Jesus."(۴۷)

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو پال کا کہنا درست ہے کہ جو کوئی مروّجہ مسیحیت کی تبلیغ کرکے، ''نبی'' کا رتبہ پانا چاہتا ہے، اسے چاہیے کہ پولس ہی کی تعلیم کو معیار بنائے۔البتہ جو شخص نبوت و رسالت کے پس منظر اور وحی و الہام کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت اور حقیقی تعلیم کو جاننا چاہتا ہو، اسے قرآن کی طرف بھی رجوع کرنا ہوگا جو صحفِ سابقہ اور کتبِ مقدسہ پر مھیمن ہے۔قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت، بابرکت حیات، معجزات اور رفع کا ذکر کرکے، ان کی شخصیت کے حقیقی خدوخال واضح کیے ہیں جو اساطیری داستانوں کے کسی بھی کردار سے زیادہ دلکش، پروقار، قابلِ یقین اور ایمان افروز ہیں۔

مصادر و مراجع اور حواشی

۱۔ مغربی مفکرین کی پیش کردہ یہ اصطلاح اب دنیا کے لیے نئی نہیں رہ گئی۔محض ''علمی'' اصطلاح سے بڑھ کر، مسلمانوں کے لیے یہ ایک تکلیف دہ حقیقت بن گئی ہے، جس کا نمایاں ترین مشاہدہ افغانستان، عراق، سوڈان اور قبل ازیں بوسنیا اور چیچنیا میں ہو چکا ہے۔مسلمانوں کے خلاف امریکی عسکری یلغار اور تہذیبی حملوں کو فکری جواز مہیا کرنے والے نمایاں ترین کردار ھنٹنگٹن (Huntington) نے اپنی کتاب Clash of Civilizations میں یہی بات صاف طور پر لکھی ہے کہ ''جب تک اسلام، اسلام رہتا ہے (جو کہ وہ رہے گا) اور مغرب مغرب رہتا ہے (جو زیادہ مشکوک ہے) ان دونوں عظیم تہذیبوں اور طرزِ حیات کے درمیان بنیادی تصادم ہی مستقبل کے تعلقات کا تعین کرتا رہے گا جیسا کہ گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران ہوتا چلا آیا ہے۔'' (ص ۲۷۷)

۲۔ مغربی دنیا کے اکثر مفکرین کا غالب فکری رجحان یہی ہے۔State University of New York میں اسلام کے بارے میں Introductory Course کے لیے لکھی گئی کتاب The Vision of Islam کے مصنفین لکھتے ہیں۔

Nowadays, discussion of Islamic teaching about "prophecy" can quickly raise emotions among Muslims. Probably, the main reason for this is that in many Islamic

countries, religion plays a far greater role in daily life than it does in Europe and America. (p:167)

حالانکہ ھنٹنگٹن(Huntington) ۔۔اوراس کے دیگر حواریوں کی تہذیبی تصادم کے حوالے سے لکھی جانے والی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔تو ''مغرب بمقابلہ اسلام؛'' ''اسلام بمقابلہ عیسائیت؛'' تقابل، تجزیہ، الزام تراشی اور دشنام طرازی، جگہ جگہ اسی حوالے سے ہے۔ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ مغرب کی تہذیب کا بنیادی عامل ''عیسائیت'' نہیں ہے۔

۳.　آل عمران ۳:۶۴　　۴۔　حجۃ اللہ البالغہ:۱/۱۹۹

۵۔　مغرب اور عالمِ اسلام۔مجموعۂ مقالات، مقالہ بعنوان: مغرب اور اسلام میں کش مکش، فیصلہ کن مسئلہ: ص ۱۲

۶.　بخاری کتاب الاعتصام ،باب ۲، اقتداء سنن رسول اللّٰہ، حدیث نمبر: ۷۲۸۱

۷۔　مغرب اور عالم اسلام۔ مقالہ بعنوان ''اسلام کا نظریۂ نبوت'، خرم مراد صاحب کا انتہائی عالمانہ مقالہ اسی موضوع پر ہے کہ مغرب، اسلام کے نظریۂ نبوت اور خاص طور پر نبوتِ محمدی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر کسی بامقصد مکالمے سے پہلوتہی کیوں کرتا ہے۔

۸.　الصف ۶۱:۶

۹۔　انجیل یوحنا میں یہ پیش گوئیاں کئی مقامات پر ہیں۔ مثلاً ''اس کے بعد میں تم سے بہت باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔'' (۱۴:۳۰)

''مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہیں، مگر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔لیکن جب وہ، یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا، اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا بلکہ جو کچھ سنے گا، وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔'' (۱۶:۱۲۔۱۴)

۱۰۔　زیرِ نظر مقالے میں خصائصِ نبوت کے حوالے سے J. Hastings Dictionary of the Bible، Westminster's Dictionary of the Bible، قاموس الکتاب، Enc. Britannica، Enc. Americana، Enc. Religion Enc. Religion & Ethics کے متعلقہ مقالات سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۱۱۔　The Wistminsters Dictionary of the Bible: 492

۱۲۔　Ibid., p:493

۱۳۔　J. Hastings Dictionary of the Bible. 4/115

۱۴۔　قاموس الکتاب: ص ۱۰۱۹

۱۵۔　The Westminsters Dictionary of the Bible, P.493

۱۶۔ Enc. Judaica: 16/580,581, Enc. Britannica: 22/387

۱۷۔ بقول مسیح (علیہ السلام) ''سب نبیوں اور توریت نے یوحنا تک نبوت کی۔'' متی، ۱۱: ۱۴

۱۸۔ متی: باب ۳، اسی پیغام پر مشتمل ہے۔　۱۹۔ قاموس الکتاب: ۱۰۲۶

۲۰۔ قاموس الکتاب: ص ۱۲۱　۲۱۔ ایضاً: ص ۱۲۲　۲۲۔ ایضاً: ص ۱۲۳

۲۳۔ نصرانیت قرآن کی روشنی میں: ص ۱۸۷　۲۴۔ سیرت ابن ہشام: ۱/۲۹۶

۲۵۔ The Westminsters Dictionary of the Bible: pp.335

۲۶۔ Ibid. pp:273-274

۲۷۔ Enc. Britannica "Messiah",: 16/258

دنیا کے بڑے مذہب، ص ۲۵۸

۲۸۔ قاموس الکتاب، ص ۹۱۲　۲۹۔ ایضاً، ص ۳۶۱

۳۰۔ The Westministers Dictionary of the Bible, p 344, 345.

۳۱۔ متی، ۳: ۱۔۶　۳۲۔ یوحنا، ۱: ۱۹۔۲۱

۳۳۔ مثلاً لوقا کی انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے شاگردوں سے ایک خطاب نقل کیا گیا ہے۔ ''پس میں تم سے کہتا ہوں مانگو تو تمہیں دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا، کیونکہ جو کوئی مانگتا ہے، اسے ملتا ہے اور جو ڈھونڈتا ہے، وہ پاتا ہے۔ جو کھٹکھٹاتا ہے، اس کے واسطے کھولا جاتا ہے۔ تم میں سے ایسا کون سا باپ ہے کہ جب اس کا بیٹا روٹی مانگے تو اسے پتھر دے؟ یا مچھلی مانگے تو مچھلی کے بدلے اسے سانپ دے؟ یا انڈا مانگے تو اس کو بچھو دے؟ پس جب تم برے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو آسمانی باپ اپنے مانگنے والوں کو روح القدس کیوں نہ دے گا۔'' (لوقا، ۱۱: ۹۔۱۳)

۳۴۔ استثناء ۳۳: ۲　۳۵۔ محسن انسانیت: ص ۲۱۱　۳۶۔ متی، ۱۰: ۷

۳۷۔ متی، ۶: ۹　۳۸۔ متی، ۶: ۱۰　۳۹۔ متی، ۷: ۲۱

۴۰۔ نصرانیت قرآن کی روشنی میں: ص ۳۶　۴۱۔ متی، ۵: ۱۷

۴۲۔ مثلاً مرقس، ۷: ۲۷، ۲۸　۴۳۔ متی، ۵: ۱، ۶

۴۴۔ History of Religion: 2/118.، Enc. Britannica: 16/258

۴۵۔ Enc. Religion: 3/432

۴۶۔ عیسائیت۔ تجزیہ و مطالعہ: ص ۷۱

۴۶۔ Historia Religionum: 2/422　۴۸۔ Ibid, p.377

۴۹۔ Ibid, p.379، Enc. of Religion: Article, Creeds 3/349-51

۵۰۔ The Westminster's Dictionary of the Bible: p.454.

۵۱۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ ۱/۲۰۳

۵۲۔ Encyclopedia of Religion, Article "Creeds": 3/349.

۵۳۔ History of Religion, 2/119، G.F. Moore

۵۴۔ Ibid : 2/120　　۵۵۔ Enc. Americana: 6/624

۵۶۔ The Westminster Dictionary of the Bible: p. 187.

۵۷۔ Enc. Religion: 8/20, Article "Jesus"

۵۸۔ متولی یوسف چلپی کی کتاب "اضواء علی المسیحیة" باب اول مکمل، ان کونسلوں ۔۔۔ اور اس دوران منظور کیے جانے والے عقائد ومعاملات کی تفصیل پر مشتمل ہے۔

۵۹۔ یوحنا۱۸: ۲۰۔۲۱　　۶۰۔ قاموس الکتاب: ص ۳۶۰

۶۱۔ خرم مراد: مغرب اور عالم اسلام، ص ۱۲

۶۲۔ Enc. Americana:6/623

۶۳۔ Catholic Encyclopedia Christology. htm., www.newadvent.org

۶۴۔ Ibid

۶۵۔ Gerald Berry, Religions of the World: p:68

۶۶۔ Classical and Contemporary Readings in the philosophy of Religion. (Compiled by : John Hick) Article-Mysticism: p:221

۶۷۔ Encyclopedia of Religion:8/20

۶۸۔ The Westminsters Dictionary of the bible: p.425

۶۹۔ قاموس الکتاب: ص ۶۶۲

۷۰۔ Encyclopedia Britannica: 6/657، اردو ترجمہ از عیسائیت، تجزیہ ومطالعہ (ساجد میر) ص ۳۰، ۳۱

۷۱۔ قاموس الکتاب: ص ۱۰۲۶　　۷۲۔ ایضاً: ص ۱۰۲۷　　۷۳۔ اعمال الرسل: باب ۹

۷۴۔ Encyclopedia Britannica:17/395, / The Westminsters Dictionary of the Bible:p.145